اقبال اور مسئلۂ فلسطین

محمد حمزہ فاروقی*

اقبال مسلمانانِ ہند کی نشاۃ ثانیہ کے علمبرداروں میں سے تھے۔ اعلیٰ پائے کے شاعر اور فلسفی ہونے کے علاوہ آپ نے عملی سیاسیات میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ ملت اسلامیہ کو درپیش مسائل کے حل کے لیے آپ عمر بھر کوشاں رہے۔ مسئلۂ فلسطین بھی ہمیشہ آپ کی توجہ کا مرکز رہا۔ آپ اس کے دیانت دارانہ حل کے لیے زندگی بھر جد و جہد کرتے رہے اور نظم و نثر اور تحریر و تقریر کے ذریعے آپ نے فلسطینی مسلمانوں کی مدد کی۔ اقبال کی خدمات کا جائزہ لینے سے قبل ضروری ہے کہ مسئلۂ فلسطین کی اجمالی تاریخ بیان کی جائے۔

بخت نصر نے ۵۸۶ قبل مسیح میں فلسطین پر حملہ کرکے یہودیوں کی قوت منتشر کر دی تھی۔ بیشتر یہودیوں کو وہ اپنے ساتھ بابل لے گیا تھا اور بے شمار یہودیوں کو اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ پھر اس کے بعد یہودی کبھی پنپ نہ سکے۔ بعثت مسیح سے ۷۰ سال پہلے فلسطین پر رومیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد فلسطین پر یہودیوں کی کبھی حکومت نہ رہی۔ فلسطین پر مسلمانوں کے قبضے کے بعد یہاں کی بیشتر آبادی نے اسلام بہ رضا و رغبت قبول کر لیا تھا اور یہودی اور عیسائی اقلیتیں صدیوں سے مسلمانوں کے ساتھ امن و آشتی سے رہتی رہیں۔

مسلمانوں کے حسن سلوک نے عیسائیوں کے دل موہ لیے تھے۔ چنانچہ انھوں نے خلفائے راشدین کے دور میں مسلمان امیر کے سامنے عرض داشت پیش کی، جس میں انھوں نے کہا تھا کہ ''ہم آپ کو بازنطینی حکمرانوں پر ترجیح دیتے ہیں، باوجودیکہ وہ ہمارے ہم مذہب تھے، لیکن آپ ایفائے عہد کرتے ہیں، نا انصافی سے باز رہتے ہیں، اس لیے ہمیں آپ ان سے زیادہ عزیز ہیں۔ انھوں نے ہمیں ہری طرح لوٹا کھسوٹا تھا اور آپ عدل و انصاف سے حکومت کرتے ہیں''[1]

گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی میں عیسائی ریاستیں فلسطین کی بازیابی

*محمد حمزہ فاروقی بی۔ اے (آنرز) ایم۔ اے

1. Thomas Arnold, Preachings of Islam, p 55.

کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں ۔ تقریباً تمام یورپ مذہبی جنون کے تحت امڈ آیا اور صلیبی جنگوں کا ایک طویل سلسلہ چل نکلا ۔ ۱۰۹۰ع میں گوڈ فرے بولین نے یروشلم پر قبضہ کر لیا۔ آخر ۱۱۸۷ع میں صلاح‌الدین ایوبی نے اسے عیسائی قبضہ سے آزاد کرایا ۔[۲]

۱۵۱۷ع میں عثمانی ترکوں نے فلسطین پر قبضہ کر لیا ۔ یہ قبضہ بیسویں صدی کے آغاز یعنی ۱۹۱۷ع تک جاری رہا۔ یعنی سوائے صلیبی جنگوں کے ۹۷ سالوں کے، یہ علاقہ ہمیشہ مسلمانوں کے قبضے میں رہا اور ہمیشہ یہاں مسلمانوں کی اکثریت رہی ۔

یہودی جب فلسطین سے بے دخل کیے گئے تو وہ عرصہ دراز تک خوار و زبوں حالت میں رہے - انہیں کہیں چین نہ ملا ۔ عیسائی ریاستوں میں ان کے ساتھ سخت متعصبانہ سلوک کیا گیا ۔ ان کے رہنے کے لیے علیحدہ باڑے بنا دیے، جنہیں Ghettos کہا جاتا تھا ۔ غلامی کی بنا پر ان میں بہت سی مذموم عادتیں رواج پا گئیں ۔ یہ ہر جگہ اپنی ان عادتوں کی بنا پر نفرت کی نگاہ سے دیکھے گئے ۔ یورپی ادبیات میں بھی ان کے مسخ شدہ کردار کو پیش کیا گیا ۔

انیسویں صدی کے اواخر میں آسٹریا کے یہودی صحافی تھیوڈور ہرزل نے فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کی تحریک چلائی ۔ بیسل (سوئٹزر لینڈ) میں ۱۸۹۷ع میں پہلی صیہونی کانگرس کا انعقاد ہوا ۔ اس کانگرس کے منشور کو بیسل پروگرام کا نام دیا گیا ، جس کے مطابق اعلان کیا گیا کہ صیہونیت کا مقصد یہودیوں کے لیے فلسطین میں قومی اور سیاسی وطن کی تشکیل ہے ۔[۳] اس طرح پہلی بار یورپی یہودیوں کی جانب سے فلسطین کو یہودیوں کا وطن بنانے کی تحریک کا آغاز ہوا ۔

انیسویں صدی کے اواخر میں چند سربرآوردہ یہودی سلطان عبدالحمید سے ملے اور درخواست کی کہ بڑی سے بڑی قیمت کے عوض انہیں فلسطین میں زمین کا ٹکڑا دے دیا جائے ۔ زیرک سلطان نے ان کے پوشیدہ عزائم بھانپ لیے اور سختی سے انکار کر دیا ۔ سلطان عبدالحمید نے ۱۹۰۲ع میں ایک خط لکھا کہ ڈاکٹر ہرزل کو مطلع کر دیا جائے کہ وہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کی جدوجہد ترک کر دے ۔ صرف سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد ہی یہودیوں

2. Mahmoud Rousan, Palestine and Internationalization of Jerusalem, p.5.

۳ ۔ ایضاً ۔ صفحہ ۲۰

کے لیے فلسطین کا حصول ممکن ہے[۴] ۔ یہودی عالمی پریس پر چھائے ہوئے تھے۔ انھوں نے سلطان عبدالحمید کے خلاف زبردست پروپاگنڈا کیا اور ملک کے اندر اور باہر وسیع پیمانے پر سازشیں کیں ۔ آخر سلطان کو اپنے جانشین سلطان مراد کے حق میں دست بردار ہونا پڑا[۵] ۔

بیسویں صدی کے اوائل تک ہرزل کا ''ارض موعود'' کی بازیابی کا نعرہ یورپی اور امریکی یہودیوں کو پوری طرح متاثر کر چکا تھا ۔ صیہونیوں کے عزائم میں سب سے بڑی سدراہ مسلمانوں کی مرکزیت اور ملت کا تصور تھا ۔ اس اتحاد کو ختم کرنے کے لیے انھوں نے عربوں اور ترکوں کے اختلافات کو ہوا دی ۔ عربوں میں قومیت کا فسوں پھونکا اور ترکوں سے آزادی حاصل کرنے پر زور دیا۔ انگریز ترکوں پر ضرب کاری لگانے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے ۔ یہ موقع پہلی جنگ عظیم نے فراہم کر دیا ۔

پہلی جنگ عظیم کے آغاز ہی میں برطانوی ہائی کمشنر متعینہ قاہرہ، شریف مکہ سے خط و کتابت کر رہے تھے کہ برطانوی حکومت شریف حسین کی سربراہی میں عرب خلافت کی تشکیل میں ہر قسم کی مدد دینے کے لیے تیار ہے، بشرطیکہ عرب جنگ میں اتحادیوں کی مدد کریں ۔ سر ہنری میک موہن اور شریف حسین کے درمیان طویل خط و کتابت کے بعد طے پایا کہ امداد کی صورت میں وہ اس تمام علاقے کو آزاد کرائیں گے جہاں عرب آباد ہیں۔ اکتوبر ۱۹۱۴ء میں برطانوی وزیر جنگ لارڈ کچنر نے شریف حسین کو یقین دلایا کہ اگر عرب ترکوں اور جرمنوں کے خلاف اعلان جنگ کریں تو برطانیہ عربوں کو آزاد ہونے میں مدد دے گا[۶] ۔ کرنل لارنس جنگ میں عربوں کی بھرپور مدد کر رہا تھا ۔ اس کی سرکردگی میں عربوں نے حجاز ریلوے کی پٹری اکھاڑ پھینکی، ذرائع حمل و نقل منقطع کر دیے ۔ عربوں کی مدد سے اتحادیوں نے مشرق وسطیٰ میں جا بجا شکست دی اور ترکوں کو عرب دنیا سے ذلت و رسوائی کے ساتھ پسپا ہونا پڑا ۔

جنگ کے آغاز میں برطانوی حکومت نے عالم اسلام کے خدشات دور کرنے چاہے۔ چنانچہ ۹ نومبر ۱۹۱۴ء کو گلڈ ہال کی دعوت طعام میں برطانوی وزیراعظم

۴۔ یہ اقتباس تھیوڈور ہرزل کی ڈائری سے لیا گیا ہے جو ۱۹۳۴ء میں تل ابیب سے شائع ہوئی تھی ۔ بحوالہ M.I. Faruqi, Jewish Conspiracy and the Muslim World, p. 85.

۵۔ ایضاً صفحات ۸۹-۹۲۔

6. Palestine etc., pp 20-22, 33.

مسٹر ایسکوئتھ نے اپنی تقریر میں ان یقین دہانیوں کی تصدیق و توثیق کی تھی جو اتحادی حکومتوں نے عالم اسلام اور عربوں کے ساتھ کی تھیں ۔ آپ نے فرمایا کہ ''ہمیں ترکی کے سلطان کی مسلمان رعایا سے کوئی پرخاش نہیں ۔ ہمارے اپنے بادشاہ کی رعایا میں کروڑوں مسلمان شامل ہیں اور یہ بات ہمارے تصور میں بھی نہیں آ سکتی کہ ہم اپنی مسلمان رعایا کے مذہب اور ان کے اماکن مقدسہ کے خلاف کوئی صلیبی جنگ لڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں ۔ اس کے برعکس اگر کبھی ضرورت پڑی اور باہر سے کسی نے حملہ کیا تو ہم ان بیرونی حملہ آوروں کے مقابلے میں پوری طاقت سے ان اماکن مقدسہ اور اپنی مسلمان رعایا کی حفاظت کریں گے اور انھیں صحیح سلامت اور مامون و محفوظ رکھیں گے[۷] ۔''

جنرل ایلن بی نے ۷ نومبر ۱۹۱۸ء کو ایک سرکاری اعلان شائع کیا ۔ یہ اعلان تمام عرب علاقوں میں پھیلا دیا گیا ۔ اس کے ذریعے عوام کو بتایا گیا تھا کہ جرمنوں سے جنگ اب اختتام پر ہے اور برطانوی اور فرانسیسی فوجیں عربوں کو ترکوں سے نجات دلانے کے لیے آگے بڑھ رہی ہیں۔ اب عربوں کو مکمل آزادی ہو گی کہ وہ جس طرح چاہیں اپنے اوپر حکومت کریں[۸] ۔

بیت المقدس میں جب جنرل ایلن بی کی فوجیں داخل ہو رہی تھیں تو ایلن بی کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ آج صلیبی جنگوں کا بدلہ چکا دیا گیا ۔ ایک طرف تو عربوں کو آزادی کے سبز باغ دکھائے جا رہے تھے ، دوسری طرف انگلستان اور فرانس کے درمیان معاہدہ ہو رہا تھا جس کی رو سے دنیائے عرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ۔

تھیوڈور ہرزل نے ۱۹۰۴ء میں وفات پائی ۔ اس کی وفات کے بعد صیہونی قیادت ڈاکٹر ویزمین (Chaim Weizmann) کے قبضے میں چلی گئی ۔ ویزمین سائنسدان تھا اور اس کے تیار کردہ آتش گیر مادے نے جنگ میں اتحادیوں کی بہت مدد کی۔ اس کے بدلے میں اس نے انگریزوں سے مطالبہ کیا کہ وہ فلسطین میں یہودیوں کو آباد کریں۔ اس سے قبل انگریزی حکومت نے ۱۹۰۳ء میں کینیا میں قومی وطن کے لیے علاقہ فراہم کرنے پر آمادگی ظاہر کی تھی لیکن صیہونی لیڈروں نے اس پیش کش کو رد کر دیا اور فلسطین پر مصر رہے ۔ چنانچہ لندن میں ڈاکٹر ویزمین اور لارڈ رالھ چائلڈ Rottschild کے درمیان اس موضوع پر مذاکرات ہوتے رہے ۔ لارڈ بالفور سیکریٹری وزارت خارجہ حکومت برطانیہ نے

۷۔ ''ہماری قومی جد و جہد'' از عاشق حسین بٹالوی ص ۲۱۸-۲۱۹۔

8. Palestine etc., pp. 21-22.

لارڈ راتھ چائلڈ کو ایک خط ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو لکھا جس میں درج تھا کہ ''ہزمیجسٹی کی حکومت فلسطین میں یہودیوں کے قومی وطن بنائے جانے پر بہم دردانہ غور کرتی ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے بھرپور جدوجہد کرے گی ۔ یہ واضح رہے کہ ایسی کوئی بات نہ کی جائے گی جس سے غیر یہودی آبادی کے شہری اور مذہبی حقوق متاثر ہوں ۔ مجھے خوشی ہوگی کہ آپ اس منشور کو صیہونی فیڈریشن کے علم میں لے آئیں[۹] ۔'' یہ خط بعد میں اعلان بالفور کہلایا ۔

سلطنت عثمانیہ صدیوں کی رزم آرائیوں کے بعد بالکل کھوکھلی ہو چکی تھی۔ زوال کے آثار تو عرصے سے نمایاں تھے ، رہا سہا پھرم جنگ عظیم نے کھو دیا ۔ یہ اس بڑے طوفان کو نہ سہار سکی اور ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی ۔

اعلانِ بالفور درحقیقت برطانیہ کے سامراجی مقاصد کو پورا کرنے کے لیے کیا گیا تھا ۔ مشرقِ وسطیٰ کی کلیدی اہمیت کے پیشِ نظر برطانیہ کو ایک ایسے مقام کی ضرورت تھی جہاں سے وہ ایک طرف تو نہر سویز کو قابو میں رکھ سکے اور دوسری طرف بحیرۂ روم پر اپنا اقتدار قائم کر سکے ۔ ڈاکٹر ویزمین اور اس کے ساتھی برطانوی حکمرانوں کو یقین دلا رہے تھے کہ یہ تمام مقاصد یہودیوں کا قومی وطن ہی پورا کر سکتا ہے ۔

پہلی جنگ عظیم کے خاتمے تک دنیا کے نقشے پر بہت سی تبدیلیاں ہوگئی تھیں ۔ پیر حرم کی 'کم نگہی' اور بغاوت کی وجہ سے سلطنت عثمانیہ کا اقتدار عرب ممالک سے ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ۔ ترکی سلطنت سمٹ سمٹا کر ترکی کی سرحدوں تک محدود ہو گئی ۔ شکست کے بعد وہاں جمہوری قوتوں نے اقتدار سنبھال لیا ۔ کچھ عرصے بعد سلطنت اور خلافت دونوں ادارے ختم کر دیے گئے ۔ ترکوں نے اپنا وجود برقرار رکھنے کے لیے اتحادیوں اور یونانیوں سے جنگیں کیں اور زبردست قربانیاں دینے کے بعد دنیا سے اپنا باوقار وجود منوا لیا ۔ جنگ کے خاتمے کے بعد عرب ممالک پکے پھلوں کی طرح برطانیہ اور فرانس کی جھولی میں جا گرے ۔ سلطنت عثمانیہ صدیوں کی رزم آرائیوں کے بعد بالکل کھوکھلی ہو چکی تھی ، آثار تو عرصے سے نمایاں تھے ۔ رہا سہا پھرم جنگ عظیم نے کھو دیا ۔ یہ اس بڑے طوفان کو نہ سہار سکی اور ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی ۔

اتحادی طاقتوں نے اب نئے عزائم اور ارادوں کے ساتھ جنگ کے اثرات ختم کرنے کی کوشش کی ۔ اس مقصد کے لیے پیرس میں صلح کانفرنس بلائی گئی جس میں جرمنی اور اس کے ساتھی ممالک اور اتحادی ممالک شریک ہوئے ۔

۹۔ ایضاً صفحہ ۳۲ ۔

عربوں کے نمائندے کی حیثیت سے شہزادہ فیصل بن حسین شریک ہوئے ۔ انھوں نے کانفرس کے نمائندوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ عرب مکمل طور پر آزاد ہونا چاہتے ہیں ۔ عربوں کی خواہشات معلوم کرنے کے لیے ایک بین الاقوامی کمیشن ترتیب دیا جائے ۔ چنانچہ امریکی صدر ووڈرو ولسن نے دو نمائندوں ہنری ۔ سی ۔ کنگ اور چارلس کرین پر مشتمل کمیشن بھیجنے کا فیصلہ کیا[۱۰] ۔ اس کمیشن نے دورے سے واپسی کے بعد اپنی رپورٹ میں کہا کہ صیہونیت سے ہمدردی کے باوجود وہ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ یہودی ریاست کا قیام ناممکن العمل ہے ۔ یہ ریاست دوسری قوموں کے شہری اور سیاسی حقوق پامال کیے بغیر قائم نہیں ہو سکتی ۔ انھوں نے تاریخی حوالوں سے ثابت کیا کہ فلسطین پر اگر حق ہے تو عربوں کا ہے ۔ یہودی مذہبی گروہ تو قرار دیے جا سکتے ہیں لیکن انھیں قوم قرار دینا ممکن نہیں ۔ اس کے باوجود پیرس کی صلح کانفرس کی مندرجات مسلمانوں کے حق میں نہیں تھیں ۔ عربوں سے کیے گئے وعدوں کے برخلاف عرب ممالک کے حصے بخرے کیے جا رہے تھے اور ان کی آزادی سلب کی جا رہی تھی ۔ یہ صورت حال مسلمانانِ عالم کے لیے حد درجہ تشویش ناک تھی ۔ اتحادیوں نے جنگ کے دوران یہی پروپیگنڈا کیا تھا کہ ان کی جنگ حق و انصاف کے لیے ہے اور وہ کمزور اقوام کی آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں ۔ لیکن جنگ کے بعد ان کے سامراجی عزائم کھل کر سامنے آ گئے ۔

اقبال ان حالات سے بے حد متاثر ہوئے ۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۱۹ء کو میاں فضل حسین کی صدارت میں موچی دروازے کے باہر ایک جلسۂ عام منعقد کیا گیا ۔ اس جلسے میں اقبال نے مندرجہ ذیل ریزولیوشن پیش کیا : ''مسلمانانِ لاہور اس جلسے میں اس عظیم پریشانی اور بے چینی کا اظہار کرتے ہیں ، جو پیرس کی صلح کانفرس میں اب تک سلطنت عثمانیہ اور خلیفۃ المسلمین کے متعلق قابلِ اطمینان فیصلہ نہ ہونے سے لاحق ہوئی ہے اور حکومت کو وہ وعدے یاد دلاتے ہیں جو مسٹر لائڈ جارج وزیرِ اعظم برطانیہ نے جنوری ۱۹۱۸ء میں تمام اسلامی دنیا سے کیے تھے اور پیرس کانفرنس کے ان اصولوں کی طرف توجہ دلاتے ہیں جو پریزیڈنٹ ولسن نے اپنے اعلانوں میں کیے تھے اور جن کی بنا پر اس عظیم الشان جنگ کا خاتمہ کیا گیا اور باصرار تمام درخواست کرتے ہیں کہ جن اصولوں پر اتحادیوں نے اپنی عیسائی دشمن سلطنت سے قرار داد کی ہے انھیں اصولوں پر مسلمان سلطنتوں سے بھی صلح انجام پانی چاہیے اور سلطنت کے کسی

۱۰۔ ایضاً صفحہ ۱۵ ۔

حصے پر بھی صراحتہً یا اشارتہً کسی دوسری سلطنت کا قبضہ نہ ہونا چاہیے[۱۱]

پیرس کانفرنس میں ہی مستقل امن قائم رکھنے کے لیے کسی بین الاقوامی ادارے کے قیام کی ضرورت کا احساس ہوا ۔ اس کانفرنس کے بعد مجلس اقوام League of Nations قائم کی گئی ۔ اس ادارے میں شروع سے ہی چند بڑی طاقتوں کو اختیار حاصل ہو گیا ۔ اس ادارے کے پاس ایسی کوئی قوت نہ تھی جس کی مدد سے یہ بزور انصاف حاصل کر سکتا ۔ ان طاقتوں کی من مانی کارروائیوں کی وجہ سے حق و انصاف بری طرح پامال ہوا ۔ اقبال نے اس کے کردار کے بارے میں کہا تھا :

من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند
بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند

جنگ کے بعد برطانیہ نے مصر ، عراق ، اردن اور فلسطین پر قبضہ کر لیا اور فرانس نے لبنان اور شام پر ۔ شریف حسین اور ان کے صاحب زادے امیر فیصل اور امیر عبداللہ کے سپرد حجاز ، عراق ، اردن کی بادشاہتیں کیں ۔ ان ممالک کو داخلی امور میں تو محدود پیمانے پر آزادی حاصل تھی لیکن بقیہ امور سلطنت برطانیہ کے سپرد تھے ۔ شریف حسین کو بعد ازاں آل سعود نے سر زمین حجاز سے نکال باہر کیا ۔

عرب باشندوں اور دنیائے اسلام کے خدشات کو دور کرنے کے لیے اتحادیوں نے انتداب (Mandate) کی اصطلاح وضع کی ۔ اتحادیوں نے فلسطین کو ایک جداگانہ اور علیحدہ مملکت تسلیم کیا ۔ انتداب کا مقصد یہ تھا کہ مقامی باشندوں کی رہنمائی اس طرح کی جائے کہ وقت آنے پر وہ بغیر کسی خارجی امداد کے اپنے ملک کا نظم و نسق سنبھال لیں ۔ فلسطین اور دیگر عرب ممالک کے لیے انتداب کا یہ جواز پیش کیا گیا کہ اس علاقے کے باشندے منتشر اور پسماندہ ہیں اس لیے ان کا زیر انتداب رہنا ضروری ہے ۔ ضرب کلیم (۱۵۳) میں ''انتداب'' کے زیر عنوان اقبال فرماتے ہیں :

جہاں قمار نہیں زن تنک لباس نہیں جہاں حرام بتاتے ہیں شغل میخواری
نظر وران فرنگی کا ہے یہی فتویٰ وہ سرزمیں مدنیت سے ہے ابھی عاری

عربوں نے اس یک طرفہ فیصلہ کو قطعاً قبول نہ کیا اور ہمیشہ اس کے خلاف جہد و جہد کرتے رہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اتحادیوں نے اپنی ہوس ملک گیری کو قانونی شکل دینے کی کوشش کی ۔ اقبال نے اسے اس طرح نظم کیا

۱۱۔ انوار اقبال مرتبہ بشیر احمد ڈار ۔ ص ۳۳ ، ۳۴ ۔

ہے (ضرب کلیم ۱۵۵) :

اقبال کو شک اس کی شرافت میں نہیں ہے
ہر ملت مظلوم کا یورپ ہے خریدار
جلتا ہے مگر شام و فلسطین پہ مرا دل
تدبیر سے کھلتا نہیں یہ عقدۂ دشوار
ترکانِ جفا پیشہ کے پنجے سے نکل کر
بے چارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار

عربوں کے نمائندے امیر فیصل نے اس انتداب کو بدرجہ مجبوری قبول کیا۔ انھوں نے ڈاکٹر ویزمین کے ساتھ معاہدے پر دستخط اس شرط کے ساتھ کیے کہ عربوں کو مکمل آزادی دے دی جائے گی۔ امیر فیصل نے اعلان بالفور کو اس شرط پر منظور کر لیا کہ سالانہ تین ہزار یہودیوں سے زیادہ باشندوں کو فلسطین میں آباد نہ ہونے دیا جائے گا۔ لیکن مستقبل میں اس شرط کی پابندی غیر ضروری سمجھی گئی اور غیر قانونی طور پر ناجائز ذرائع سے ہزاروں کی تعداد میں یہودی آتے تھے اور انھیں فوراً آباد کر دیا جاتا تھا۔ یہ سب کچھ برطانوی حکمرانوں کے ایما پر ہو رہا تھا۔ یہودی بہت منظم تھے، پھر بے اندازہ دولت کے مالک بھی تھے۔ دھن، دھونس اور دھاندلی کے ذریعے عربوں کی زمینوں پر قابض ہوتے گئے۔ برطانوی حکمرانوں کے بل بوتے پر یہودی صدیوں سے آباد عربوں کے مکانات اور اراضی پر قابض ہو جاتے اور عرب اپنے ہی وطن میں مہاجرت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔ اس سرزمین میں صیہونیوں کی آمد لاتعداد مصائب کا پیش خیمہ تھی اور یہ سرزمینِ انبیاء، جو صدیوں سے امن اور سکون کا گہوارہ تھی، اب مستقل طور پر ظلم اور ناانصافی کا شکار ہو گئی۔ لیکن یہ ظلم و جور عربوں کے حوصلوں کو شکست نہ دے سکا۔ انھیں دو محاذوں پر لڑنا پڑتا تھا۔ ایک طرف تو نہایت منظم صیہونیوں سے اور دوسری طرف برطانوی حکومت سے۔

برطانیہ نے دیگر عرب ممالک کو تو رفتہ رفتہ آزادی دے بھی دی لیکن فلسطین میں انتداب کو غیر معینہ مدت کے لیے قائم رکھا۔ برطانوی حکمرانوں کے دور میں عربوں کے ساتھ صریح ناانصافیاں ہوئیں۔ عربوں اور یہودیوں کے درمیان فسادات کے شعلے بھڑکتے رہے۔ ۱۹۲۱ع میں پہلا فساد ہوا اور اس کے بعد اس کا لامتناہی سلسلہ جاری رہا۔

عربوں کے خدشات کو زائل کرنے کے لیے اس وقت کے برطانوی امور خارجہ اور نوآبادیات کے سیکریٹری ونسٹن چرچل نے ۱۹۲۲ع میں ایک قرطاس ابیض شائع کیا۔ اس میں انھوں نے اعلان کیا کہ فلسطین کے متعلق

ایسے غیر ذمہ دارانہ بیان دیے جا رہے ہیں کہ اسے ایسی یہودی ریاست بنا دیا جائے گا جیسی انگلستان انگریزوں کے لیے ہے ۔ اعلانِ بالفور کی مندرجات میں یہ شامل نہیں کہ فلسطین کو مکمل طور پر یہودیوں کا قومی وطن بنا جائے گا ، بلکہ ایسا وطن فلسطین میں قائم کیا جائے گا[۱۲] ۔ برطانوی مدبرین کے نزدیک ابتدا میں قومی وطن سے مراد سیاسی ریاست نہ تھی ۔ اعلان بالفور بے حد مبہم اور غیر واضح ہونے کے باوجود صیہونیوں کو فلسطین میں قدم جمانے کا موقعہ ضرور فراہم کرتا تھا ۔

۲۲ فروری ۱۹۲۲ء کو سرکشن پرشاد شاد وزیر اعظم حیدر آباد دکن کو ایک خط میں اقبال لکھتے ہیں : ''ہندوستان سے باہر سفر کرنے کے متعلق عرض یہ ہے کہ عہد نامہ سیورے کی رو سے ایک کمیشن مقرر ہو گی ، جو مقامات مقدسہ کے متعلق تنازعات کا فیصلہ کرے گی ۔ اس کمیشن کے دو ممبر مسلمان ہوں گے ۔ گورنمنٹ نے مجھے مقرر کرنے کا فیصلہ کیا اور مجھ سے میرا عندیہ دریافت کیا مگر مالی مشکلات سے مجبور ہو کر مجھے یہ آفر نامنظور کرنی پڑی ۔ یہ رائل کمیشن ہوگی اور رائل کمیشن کے ممبروں کو قاعدے کی رو سے سوائے اخراجات سفر کے اور کوئی معاوضہ نہیں ملتا ۔ چونکہ میں دولتمند آدمی نہیں اور یہ کام تقریباً دو سال جاری رہے گا اور اجلاسوں کے لیے ہر سال فلسطین جانا پڑے گا ، اس واسطے مجبوراً با دل ناخواستہ مجھے انکار کرنا پڑا[۱۳] ۔''

فلسطین پر صیہونیوں کا دعویٰ محض سامراجی مقاصد کو پورا کرنے کے لیے تھا ورنہ یہودی دو ہزار سال پہلے مسلمانوں کی آمد سے قبل بے دخل کیے جا چکے تھے ۔ اگر دعویٰ اسی بنیاد پر ممکن ہوتا تو مسلمان اسپین پر دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہوتے جہاں سے وہ چند صدیاں پیشتر بے دخل کیے گیے تھے ۔ اقبال نے اپنی ایک نظم میں کہا کہ :

ہے خاک فلسطین پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہل عرب کا
مقصد ہے ملوکیت انگلیس کا کچھ اور
قصہ نہیں نارنج کا یا شہد و رطب کا

۱۹۲۹ء کے فسادات کے بعد حکومت نے ایک کمیشن سر والٹر شا کی قیادت

12. Palestine and Internationalization of Jerusalem, p. 22.

۱۳- سہ ماہی اُردو ۔ انجمن ترقی اُردو ۔ اپریل ۱۹۶۷ء ۔ جلد ۴۳ ۔ شمارہ ۲ ۔ ص ۹۰ ۔ ۹۱ ۔

میں ترتیب دیا ۔ اس کمیشن نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ ''ہماری حکومت سے درخواست ہے کہ وہ یہودیوں کی آمد اور زمینوں پر قبضہ کے سلسلے میں غیر یہودی آبادی کے حقوق اور تحفظات کی حفاظت کرے'' ۔ اس رپورٹ کے باوجود برطانوی حکومت نے اپنے جانبدارانہ رویہ میں تبدیلی گوارا نہ کی اور صورت حال مزید بد سے بدتر ہوتی گئی ۔

ہندوستان کے آئینی مسائل کے حل کے لیے ۱۹۳۱ء کے اواخر میں دوسری گول میز کانفرس منعقد کی گئی ۔ یہ کانفرس ۱۷ ستمبر ۱۹۳۱ء سے ۳۱ دسمبر ۱۹۳۱ء تک جاری رہی ۔ اقبال اس کانفرس میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے تھے ۔ آپ کے عازم لندن ہونے سے قبل بمبئی کرانیکل کے نمائندے نے اقبال سے انٹرویو لیا تھا ۔ کرانیکل کے نمائندے نے دریافت کیا تھا کہ ''عرب ممالک کے وفاق بننے کے کیا امکانات ہیں ؟'' اقبال نے فرمایا ''میں عرب ممالک کے وفاق پر یقین رکھتا ہوں ۔ باوجود یکہ اس راہ میں زبردست مشکلات حائل ہیں لیکن مجھے عربی زبان پر بھروسہ ہے ۔ یہی وہ مشرقی زبان ہے جس کا مستقبل زندہ زبان کی حیثیت سے بہت تابناک ہے ۔ میں اسے مذہب کے بعد اتحاد کا سب سے بڑا ذریعہ تصور کرتا ہوں ۔ چونکہ حجاز کی موجودہ حالت کچھ بہت زیادہ اطمینان بخش نہیں ، اس بنا پر میرے لیے عرب وفاق کے مستقبل کے متعلق پیشین گوئی کرنا دشوار ہے ۔ اگر مسلم ممالک اسلام کے بلند مقاصد پر عمل پیرا ہوں تو اسی صورت میں وہ انسانیت کی عظیم خدمت انجام دے سکتے ہیں ۔''[۱۴]

مندرجہ بالا انٹرویو میں اقبال نے دنیائے عرب کے اتحاد کے لیے مذہب ، زبان اور مشترکہ تہذیب و تمدن کی بنیادیں پیش کی تھیں ۔ درحقیقت دنیائے عرب کے اتحاد اور ماضی کی عظیم روایات سے ہی عرب دور جدید کے مسائل کو حل کر سکتے تھے ۔ بعد میں انہی بنیادوں پر عرب لیگ کا قیام عمل میں آیا تھا ۔

اقبال نے اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں ہی مغربی تصور قومیت کے مضر اثرات محسوس کر لیے تھے ۔ آپ اسے دور جدید کا سب سے بڑا فتنہ تصور کرتے تھے ۔ اس کے مقابلے میں آپ نے اسلام کے عالمگیر تصور امت کو اپنانے پر زور دیا ۔ اتحاد ہی کی بدولت مسلمانان عالم عظمت رفتہ حاصل کر سکتے تھے ۔ مغرب کا یہ تصور اگر تفریق ملل کا سبق دیتا تھا تو اسلام اس کے مقابلے میں عالمگیر وحدت انسانی کا سبق دیتا تھا ۔ اسی تصور قومیت نے یورپی قوموں کو ایک دوسرے

14. B. A. Dar (ed), Letters and Writings of Iqbal, pp. 60-61.

سے مستقل لڑائی پر مجبور کر دیا تھا ، جس سے یہ تہذیب کھوکھلی ہو چلی تھی ۔ اقبال کے نزدیک اگر کوئی نظریہ انسانیت کو اس واضح خطرے سے بچا سکتا تھا تو وہ اسلامی تصور تھا :

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو
آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور
زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر
یہ فرنگی مدنیت کہ جو خود ہے لب گور

اسی زمانے میں پیرس میں ایک عالیشان مسجد کی تعمیر ہوئی جو فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ تھی ۔ فرانسیسی حکومت نے خود اس کی تعمیر میں دلچسپی لی اور اس تعمیر کے بیشتر اخراجات برداشت کیے ۔ اس مسجد کی تعمیر کا مقصد یہ تھا کہ عالم اسلام کی توجہ فرانس کے سامراجی مقاصد سے ہٹائی جائے اور دنیا کے سامنے اپنی بے تعصبی کا پروپیگنڈا کیا جا سکے ۔ اقبال نے بتایا کہ فرانسیسی حکومت کے اصل عزائم اور مقاصد کا اظہار تو دمشق میں ہوا ، جہاں مسلمان ہونے کے جرم میں لاکھوں افراد کی آزادی سلب کی گئی اور انھیں گولیوں سے بھونا گیا ۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :

مری نگاہ کمال ہنر کو کیا دیکھے — کہ حق سے یہ حرم مغربی ہے بیگانہ
حرم نہیں ہے فرنگی کرشمہ بازوں نے — تن حرم میں چھپا دی ہے روح بتخانہ
یہ بتکدہ انہی غارتگروں کی ہے تعمیر — دمشق ہاتھ سے جن کے ہوا ہے ویرانہ

اقبال ایک مربوط و مثبت نظام فکر کے مالک تھے ۔ آپ کی نظر مغربی تہذیب کے معائب و محاسن دونوں پر تھی ۔ اسلامی تہذیب پر بے پایاں یقین کے باوجود انھیں اسلامی معاشرے کی ان برائیوں کا بھی بخوبی احساس تھا جو ان کے دور غلامی کی یادگار تھیں ۔ اقبال نے ان برائیوں کا احساس دلایا اور دینی و دنیاوی عظمت کے حصول کے لیے امت کے سامنے ایک نظام حیات پیش کیا ۔ فلسطینی عربوں کو بھی اقبال نے بار بار جھنجوڑا اور خودی میں ڈوب کر زندگی کا سراغ پانے پر زور دیا ۔

اقبال نے ۱۹۳۱ء کے اواخر میں دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی ۔ اسی زمانے میں مؤتمر عالم اسلامی کے زیر انتظام یروشلم میں صیہونی خطرے کے سدباب کے لیے عالم اسلام کے نمائندوں کی کانفرنس منعقد کی گئی ۔ اقبال نے گول میز کانفرنس کے اجلاس کو ادھورا چھوڑ کر اس میں شرکت کی ۔ اقبال کے ساتھ مولانا غلام رسول مہر بھی تھے ۔ ہندوستان سے مولانا شوکت علی اور مولانا شفیع داؤدی اس میں شامل ہوئے ۔ عرب نمائندوں کے علاوہ جارجیا (گرجستان)

سے سعید شامل ، ترکستان سے عیاض بے اسحاق اور ایران سے سید ضیاء الدین طباطبائی شریک ہوئے ۔[۱۵]

مسئلہ فلسطین کی نزاکت کے پیش نظر یہ قرار پایا کہ عالمی رائے عامہ کو بیدار کرنے کے لیے نشر و اشاعت کے ذرائع کو بہتر سے بہتر بنایا جائے اور اس مسئلے کی ہر ہر تفصیل دنیا کے سامنے پیش کی جائے ۔ اس اجلاس میں متعدد قراردادیں منظور کی گئیں ۔ ان میں اہم ترین قرارداد فلسطین میں آمد یہود کے خلاف تھی ۔ اقبال نے اس اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمانوں کو اب جس قدر اتحاد کی ضرورت ہے ، پہلے کبھی نہ تھی ۔ مسلمانان عالم ، اسلام کو درپیش مسائل اور خطرات کا مقابلہ صرف اتحاد کے ہی ذریعے کر سکتے ہیں ۔[۱۶]

اس اجلاس میں یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ یروشلم میں جامعہ ازہر کی طرز پر ایک یونیورسٹی قائم کی جائے جہاں اسلامی علوم کی تعلیم دی جائے گی ۔ اقبال نے اس تجویز کی مخالفت کی اور ایک ایسی جامعہ کے قیام پر زور دیا جہاں تمام اسلامی اور عصری علوم کی تعلیم ہو ۔ اس تجویز پر کچھ بدمزگی بھی پیدا ہوئی ۔ رائٹر کی خبر رساں ایجنسی نے خبر کو اس انداز سے پیش کیا کہ اقبال سرے سے ہی یونیورسٹی کے قیام کے مخالف ہیں ۔ اس غلط فہمی کے ازالے کے لیے وطن واپس آنے پر یکم جنوری ۱۹۳۲ء کو اقبال نے مندرجہ ذیل بیان دیا ۔ ''ایک ذیلی کمیٹی میں میں نے اس تجویز کی سختی سے مخالفت کی کہ یروشلم میں قدیم وضع پر جامعہ ازہر کے طرز پر یونیوسٹی قائم کی جائے ، بلکہ موجودہ طرز کی یونیوسٹی کے قیام پر زور دیا ۔ مجھے اس غلط فہمی کے پیدا ہونے کا علم نہیں ، جس نے بعد میں اس افواہ کی شکل اختیار کر لی کہ میں ہر قسم کی یونیورسٹی کے قیام کا مخالف ہوں ۔ رائٹر نے اس طرح کی خبر شائع کی ۔ درحقیقت میں تو اس بات کے پرزور حامیوں میں سے ہوں کہ عرب ممالک میں ایک کی بجائے کئی یونیورسٹیاں جدید علوم کو عربی زبان میں پیش کرنے کے لیے قائم ہوں ۔ کیونکہ عربی ہی وہ واحد غیر یورپی زبان ہے جو دور جدید کی ذہنی ترقیات کا ساتھ دے سکتی ہے ۔[۱۷]''

۱۵ ۔ مندرجہ بالا معلومات کے لیے راقم مولانا غلام رسول مہر کا شکر گزار ہے ۔

۱۶ ۔ روزنامہ ٹائمز لندن ، مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۱ء بحوالہ ''ہماری قومی جدوجہد'' از عاشق حسین بٹالوی ص ۲۰۸ ۔

17. Shamloo (ed.), Speeches and Statements of Iqbal, pp. 170-171.

نومبر ۱۹۳۲ء میں لندن میں تیسری گول میز کانفرنس منعقد ہوئی - اس میں شرکت کے لیے اقبال ۷ نومبر ۱۹۳۲ء کو لندن تشریف لے گئے - یہاں آپ کا تعلق لیشنل لیگ آف انگلستان سے ہوا - یہ انجمن مس مارگریٹ فارقوہرسن نے ۱۹۱۴ء میں قائم کی تھی - اس کا مقصد برطانیہ کی جنگی مساعی میں مدد دینا تھا - جنگ کے بعد اس کا مقصد بالشوزم کے خلاف جد و جہد کے علاوہ مسلمانانِ عالم کے برطانوی سلطنت سے تعلقات استوار کرنا تھا - مشرقِ وسطیٰ اور ہندوستان کے مسلمانوں سے بہتر تعلقات اس کی کوششوں کا خاص محور تھا - مسئلۂ فلسطین کے معاملے میں یہ مسلمانوں کی ہم نوا تھی اور اس مسئلے کے منصفانہ حل کے لیے عملی طور پر کوشاں تھی[۱۸] -

مقاصد کی یکسانیت کی بنا پر اقبال اس انجمن کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے - مس فارقوہرسن اور اقبال کے درمیان مسئلۂ فلسطین اور ہندوستانی مسائل کے بارے میں خط و کتابت ہوتی رہتی تھی - ایک خط میں اقبال لکھتے ہیں : ''ہم آپ کی اور دیگر ممبروں کی ان مساعی کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ، جو آپ نے ہمارے لیے انجام دی ہیں - میں انگلستان کے اخباروں سے باخبر رہتا ہوں اور محسوس کرتا ہوں کہ موجودہ دور انگلستان اور اسلام کی تاریخ میں زبردست ہنگامی نوعیت رکھتا ہے - انگلستان کے سامنے صرف ہندوستان کا ہی مسئلہ نہیں بلکہ مشرق و مغرب کے درمیان تعاون کا مسئلہ بھی ہے - مجھے خوشی ہے کہ انگلستان مسئلے کی اصل تہ کو پا گیا ہے[۱۹] -

مس فارقوہرسن کی دیگر ہندوستانی لیڈروں سے بھی خط و کتابت تھی اور ان سے سیاسیاتِ ہند اور مسئلۂ فلسطین کے موضوعات پر تبادلۂ خیالات ہوتا تھا - اقبال مس فارقوہرسن کو اکثر مسائل پر مشورے دیا کرتے تھے - ۲۲ مئی ۱۹۳۲ء کو مس فارقوہرسن کو ایک خط میں لکھتے ہیں : ''جہاں تک فلسطین کا تعلق ہے ، میں ایک اپیل شائع کرنے پر بخوشی راضی ہوں - میں نے پہلے بھی آپ کو لکھا تھا کہ ہز ہائی نس آغا خاں کی حمایت حاصل کریں - ایسی اپیل میں ان کی شمولیت نہایت مؤثر ثابت ہوگی - اپیل پر ان کے دستخط لازمی ہیں اور اپیل مصر و فلسطین کے زعمائے فکر و عمل کے مشورے سے مرتب ہونی

۱۸- مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجیے : Letters and Writings of Iqbal, pp. 68-69.

۱۹- ایضاً - ص ۶۸-۶۹ -

چاہیے ۔ میں نے ایک مقامی اخبار کے ایڈیٹر سے اس تحریک کی تائید میں پروپیگنڈا شروع کرنے کو کہا ہے ۔ امید ہے ، اس اخبار کے چند پرچے آپ کی خدمت میں پہنچ چکے ہوں گے ۲۰ ۔''

اقبال جب تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن تشریف لائے تو نیشنل لیگ کے زیر اہتمام دارالعوام کے کمیٹی روم میں ایک جلسہ منعقد ہوا ۔ صدر جلسہ لارڈ لیمنگٹن تھے ۔ موضوع زیر بحث یہ تھا کہ فلسطینی عربوں کے حقوق محفوظ کرنے کی کیا تدابیر اختیار کی جائیں ۔ اقبال خود تو اس جلسے میں شریک نہ ہو سکے ، لیکن مندرجہ ذیل برقیہ بھیجا ، جسے صدر جلسہ نے حاضرین کے سامنے پڑھ کر سنایا : ''فلسطین کے مسئلے نے مسلمانوں کو سخت مضطرب اور پریشان کر رکھا ہے ۔ اگر اس قضیے کا فیصلہ ہمارے حسب منشا نہ ہوا تو اندیشہ ہے کہ نتائج سخت ناگوار ثابت ہوں گے ۔ آپ کی بروقت امداد کو میں بنظر تحسین دیکھتا ہوں ۔ مجھے امید ہے کہ (اگر آپ نے کوشش جاری رکھی تو) فلسطین میں یہودیوں کا داخلہ روک دیا جائے گا ۔ اس طرح آپ برطانیہ اور دنیائے اسلام کے باہمی تصادم کو روک سکیں گے ۲۱ ۔''

۲۴ نومبر ۱۹۳۲ع کو نیشنل لیگ نے اقبال کے اعزاز میں استقبالیہ دیا ۔ اس استقبالیہ میں نیشنل لیگ کی صدر مس فارقوہرسن ، لارڈ لیمنگٹن اور سر ہارٹ کورٹ بٹلر شامل تھے ۔ اقبال نے اس تقریب میں فرمایا کہ برطانیہ کو چاہیے کہ عالم اسلام کے ساتھ تعلقات استوار کرے اور یہ جبھی ممکن ہے کہ فلسطین سے برطانوی اقتدار ختم کرکے اسے عربوں کے حوالے کر دیا جائے ۲۲۔

اس مسئلے سے اقبال انتہائی دلچسپی رکھتے تھے اور وقتاً فوقتاً اپنی رائے کا اظہار خطوط کے ذریعے کرتے رہتے تھے ۔ ۲۳ نومبر ۱۹۳۳ع کو اقبال مس فارقوہرسن کو لکھتے ہیں : ''نیشنل لیگ کی بروقت سعی کے لیے دلی شکریہ قبول فرمائیے ۔ مجھے امید ہے کہ آپ حکومت کی احمقانہ فلسطینی حکمت عملی کے خلاف برطانوی رائے عامہ کو بیدار کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے ۔''

۱۹۳۳ع میں مفتی اعظم فلسطین امین الحسینی ، علوبہ پاشا کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے ۔ آپ کے دورے کا مقصد یہاں کی رائے عامہ کو بیدار کرنا تھا

۲۰۔ اقبال نامہ ۔ حصہ دوم ۔ صفحہ ۲۸۵-۲۸۳ ۔
۲۱۔ روزنامہ ٹائمز لندن مورخہ ۲۵ نومبر ۱۹۳۲ع بحوالہ ہماری قومی جدوجہد صفحہ ۲۱۰-۲۰۹ ۔
۲۲۔ ایضاً صفحہ ۲۰۹ ۔

اور مسئلے کی نزاکت اور سنگینی کا احساس دلانا تھا ۔ آپ کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ غریب عربوں کے لیے چندہ جمع کیا جائے تاکہ وہ صیہونیوں کی ترغیب و تحریص میں نہ آ سکیں ۔ ایک اور مقصد یہ تھا کہ یروشلم میں ''الاقصیٰ'' نامی یونیورسٹی قائم کرنے کے لیے چندہ جمع کیا جائے ۔ لاہور میں اقبال سے آپ نے ملاقات کی ۔ اقبال نے آپ کے مقاصد سے اتفاق کیا اور ہر ممکن مدد کا یقین دلایا ۔ چندے کے حصول میں بھی آپ نے ان کی مدد کی ۔

بین الاقوامی حالات بھی فلسطین میں یہودیوں کے لیے ساز گار ثابت ہوئے ۔ جرمنی میں نازی پارٹی ہٹلر کی سرکردگی میں بر سر اقتدار آ گئی ۔ یہ پارٹی آریا نسل کی برتری کی دعوے دار تھی اور مختلف سیاسی اور اقتصادی وجوہ کی بنا پر یہودیوں کی جانی دشمن تھی ۔ اس بنا پر بھی یہودی جرمنی سے فلسطین منتقل ہونے لگے ۔ برطانوی حکمران ان کی ہر ممکن مدد کر رہے تھے ، حتیٰ کہ انہیں اسلحہ تک فراہم کر رہے تھے ۔ ان حالات میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان وسیع پیمانے پر فسادات پھوٹ پڑے ۔ عربوں نے منظم جدوجہد کے لیے عرب قومی محاذ (The Arab National Committee) قائم کیا ۔ اس کے زیر انتظام ملک بھر میں اسٹرائک کی گئی ۔ امین الحسینی کی صدارت میں عربوں نے برطانوی حکومت اور یہودیوں سے عدم تعاون کیا ۔ آخر رائے عامہ کے دباؤ کے سامنے حکومت نے ان مسائل کے حل کے لیے رائل فلسطین کمیشن ترتیب دیا جس کے سربراہ لارڈ پیل تھے[۲۳] ۔

ان واقعات سے عالم اسلام میں زبردست اضطراب پھیلا ۔ جابجا صیہونیوں اور برطانوی حکومت کی سرگرمیوں کی مذمت کی گئی ۔ ۱۲ مئی ۱۹۳۶ء کو میاں عبدالعزیز بار ایٹ لا کی قیام گاہ پر صوبائی مسلم لیگ کا جلسہ منعقد کیا گیا ۔ اس جلسے کی صدارت اقبال نے کی ۔ اس جلسے میں آپ نے ایک قرار داد پیش کی ، جس میں آپ نے برطانیہ کی فلسطین میں عرب دشمنی اور یہود نوازی کی شدید مذمت کی تھی[۲۴] ۔

فلسطین میں مارشل لا نافذ تھا ۔ عربوں کی اسٹرائک بدستور جاری تھی اور اتنے بڑے پیمانے پر برطانوی حکومت پکڑ دھکڑ کر رہی تھی کہ پورا ملک عملاً فوجی کیمپ بنا ہوا تھا ۔ ان حالات میں رائل فلسطین کمیشن نے

23. Palestine and the Internationalization of Jerusalem, p. 40.

۲۴- ''اقبال کے آخری دو سال'' از عاشق حسین بٹالوی ۔

اپنی رپورٹ مرتب کی ۔ عربوں نے ابتدا میں کمیشن سے کوئی تعاون نہ کیا ۔ بعد میں عربوں کی اعلیٰ کمیٹی Arab Higher Committee کے کہنے پر اور دیگر عرب زعماء کے اصرار پر عربوں نے ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو اسٹرائک ختم کر دی اور کمیشن سے تعاون کیا ۔

کمیشن نے اپنی رپورٹ ۸ جولائی ۱۹۳۷ء کو پیش کی ۔ اس رپورٹ میں تنازعے کے مندرجہ ذیل اسباب بیان کیے :

(۱) عرب آزادی کے خواہاں تھے اور فلسطین کو ایک آزاد عرب ملک کے روپ میں دیکھنا چاہتے تھے ۔

(۲) عرب صیہونی عزائم سے نفرت کرتے تھے اور انہیں صیہونی ریاست کے ناجائز قیام سے خطرہ تھا ۔

اس رپورٹ میں اعتراف کیا گیا کہ عربوں اور صیہونیوں کے مقاصد اور مفادات بالکل متضاد ہیں ۔ برطانوی انتداب اب ناقابل عمل ثابت ہو چکا ہے ۔[۲۵] اس لیے اب ضرورت اس امر کی ہے کہ عربوں اور یہودیوں کے درمیان پائیدار امن کے لیے فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے ۔

یہ تقسیم ایک عجیب فارمولے کے تحت ہوئی تھی ۔ ساحلی پٹی جس میں یافہ ، تل ابیب اور یروشلم کے اہم شہر شامل تھے ، یہ علاقے یہودیوں کی جھولی میں ڈال دیے گئے ۔ بیت المقدس ، بیت اللحم اور دیگر مقامات مقدسہ مثلاً ناصرہ اور جھیل طبریہ برطانوی حکومت کے تحت ہو گئے ۔ باقی ماندہ علاقے عربوں کے حصے میں آئے ۔ ان دو عرب اور یہودی آزاد ریاستوں کے درمیان متذکرہ بالا علاقہ برطانوی عملداری میں رہنے کی سفارش کی گئی ۔[۲۶]

یہ رپورٹ ظاہر ہے عربوں اور عالم اسلام کے لیے ناقابل قبول تھی ۔ اس سے صیہونی اور برطانوی سامراجی عزائم کھل کر سامنے آ گئے ۔ اس رپورٹ نے برطانیہ کے عربوں سے کیے گئے وعدوں کے فریب کا پردہ چاک کر دیا ۔ فلسطین ایک مسلم اکثریتی ملک تھا اور سرزمین انبیاء ہونے کی وجہ سے یہودیوں ، عیسائیوں اور مسلمانوں کے لیے یکساں طور پر محترم تھا ۔ یہاں مسلمانوں کا قبلۂ اول بیت المقدس تھا ۔ یہیں سے آنحضرتؐ معراج کے لیے تشریف لے گئے تھے ۔ مسجد عمرؓ بھی یہیں تھی ۔ صدیوں سے مسلمان یہاں آباد تھے اور فلسطین کے چپے چپے پر مسلمانوں کے مقدس مقامات تھے ۔ اب یہ علاقہ باہر سے برآمد شدہ مختلف ملکوں

۲۵- ایضاً ۳۱ ۔
۲۶- ایضاً ۳۸ ۔

کے باشندوں کے سپرد کیا جا رہا تھا ۔ یہ علاقہ مشرق و مغرب کے سنگم پر واقع ہے ۔ ظاہر ہے جو طاقت بھی یہاں قابض ہو گی وہ مسلمانوں کی اجتماعی قوت پر ضرب کاری لگا سکتی تھی ۔

رائل کمیشن کی رپورٹ کے شائع ہوتے ہی اقبال نے بیماری کے عالم میں صوبائی مسلم لیگ کے جنرل سیکریٹری غلام رسول خاں کو ہدایت دی کہ ایک جلسۂ عام منعقد کیا جائے جس میں اس رپورٹ کی تجاویز کی مخالفت کی جائے ۔ ۲۶ جولائی ۱۹۳۷ء کو ملک برکت علی کی صدارت میں موچی دروازے کے باغ میں جلسۂ عام منعقد ہوا ۔ علامہ خود تو شرکت سے معذور تھے لیکن انھوں نے ایک بیان انگریزی میں لکھا اور غلام رسول خاں کو ہدایت کی کہ یہ بیان اور اس کا اردو ترجمہ جلسۂ عام میں پڑھ کر سنایا جائے ۔ آپ نے فرمایا کہ ''مجھے مسرت ہے کہ برطانوی پارلیمنٹ نے اپنی ایک تازہ بحث میں ملک معظم کی حکومت کے فیصلہ پر نظر ثانی کرتے ہوئے مسئلۂ تقسیم فلسطین کو ملتوی کر دیا ۔ یہ فیصلہ مسلمانان عالم کو ایک موقع بہم پہنچاتا ہے کہ پوری قوت کے ساتھ اس امر کا اعلان کریں کہ وہ مسئلہ جس کا حل برطانوی سیاست دان تلاش کر رہے ہیں محض قضیۂ فلسطین ہی نہیں بلکہ ایسا مسئلہ ہے جس کا شدید اثر تمام دنیائے اسلام پر ہو گا'' ۔

آپ نے اس مسئلے کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ''فلسطین سے یہودیوں کا جبری اخراج کبھی عمل میں نہیں آیا ، بلکہ بقول پروفیسر ہوکنگ یہود اپنی مرضی اور ارادے سے اس ملک سے باہر پھیل گئے اور ان کے مقدس صحائف کا غالب حصہ فلسطین سے باہر ہی مرتب و مدون ہوا ۔ مسئلۂ فلسطین کبھی بھی عیسائیوں کا مسئلہ نہیں رہا ۔ اگر یہ اعتراف بھی کر لیا جائے کہ حروب صلیبیہ فلسطین کو عیسائیوں کا مسئلہ بنانے کی کوششیں تھیں تو اس کوشش کو صلاح الدین کی فتوحات نے ناکام بنا دیا ۔ لہٰذا میں فلسطین کو خالص اسلامی مسئلہ سمجھتا ہوں ۔ مشرق قریب کے اسلامی ممالک سے متعلق برطانوی سامراجی ارادے کبھی بھی اس طرح بے نقاب نہیں ہوئے تھے جیسے رائل کمیشن کی رپورٹ نے انھیں رسوا کیا ہے ۔ فلسطین میں یہودیوں کے لیے ایک قومی وطن کا قیام تو محض ایک حیلہ ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ برطانوی امپریلزم مسلمانوں کے مقامات مقدسہ میں مستقل انتداب اور سیادت کی شکل میں اپنے لیے ایک مقام کا متلاشی ہے ۔ بقول ایک ممبر پارلیمنٹ کے یہ ایک خطرناک تجربہ ہے اور اس سے برطانوی مسئلہ بحیرہ روم کا حل میسر نہیں آتا ۔ برطانوی مدبرین کو جاننا چاہیے کہ برطانوی امپریلزم

کی مشکلات کا حل تلاش کرتے کرتے وہ برطانوی امپریلزم کے لیے ایک مصیبت برپا کر رہے ہیں'' ۔

آپ نے فرمایا کہ ''یہ رپورٹ مسلمانان ایشیا کے لیے بڑی عبرتوں کی سرمایہ دار ہے ۔ تجربے نے اس امر کو بہ تکرار واضح کر دیا ہے کہ مشرق قریب کے اسلامی ممالک کی سیاسی وحدت و استحکام عربوں اور ترکوں کے فوری اتحاد مکرر پر موقوف ہے ۔ ترکوں کو دنیائے اسلام سے علیحدہ کر دینے کی حکمت عملی ابھی تک جاری ہے ۔ گاہے گاہے اب بھی یہ صدا بلند ہو رہی ہے کہ ترک تارک اسلام ہو رہے ہیں ۔ ترکوں پر اس سے بڑا بہتان نہیں باندھا جا سکتا ۔ اس شرارت آمیز پروپیگنڈے کا شکار وہی لوگ ہیں جو تاریخ تصورات فقہ اسلامی سے نابلد ہیں ۔ مسئلہ فلسطین کے امکانات ممکن ہے کہ مسلمانوں کو اس متحدہ انگریزی فرانسیسی ادارے جسے جمعیت الاقوام کا ہر شکوہ لقب دیا گیا ہے، کی رکنیت کی حیثیت پر غور کرنے پر مجبور کر دے اور ایک ایشیائی جمعیت الاقوام کے قیام و ترتیب پر مجبور کر دیں ۔ عربوں کو جن کا شعور مذہبی ظہور اسلام کا موجب بنا، جس نے مختلف اقوام ایشیا کو متحد کر دکھلایا، ترکوں سے ان کی مصیبت کے زمانے میں غداری کے نتائج سے غافل نہ رہنا چاہیے ۔ عربوں کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وہ ان غریب بادشاہوں پر، جو خواہ کتنے ہی طاقتور کیوں نہ ہوں، مسئلہ فلسطین پر ایک آزادانہ اور ایماندارانہ فیصلہ سے قاصر ہیں، اعتماد نہ کرنا چاہیے ۔ عربوں کا فیصلہ پورے غورو خوض کے بعد ایک آزاد فیصلہ ہونا چاہیے جس کے لیے انھیں مسئلہ زیر بحث کے تمام پہلوؤں پر ضروری معلومات میسر ہونی چاہئیں موجودہ زمانہ ایشیا کی غیر عربی اسلامی سلطنتوں کے لیے بھی ایک ابتلا و آزمائش کا دور ہے ۔ کیونکہ تنسیخ خلافت کے بعد مذہبی اور سیاسی نوعیت کا یہ پہلا بین الاقوامی مسئلہ ہے جو تاریخی قوتیں ان کے سامنے لا رہی ہیں'' ۲۷ ۔

مندرجہ بالا بیان سے اقبال کی وسعت نظر اور بالغ نظری کا اندازہ ہوتا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ دور جدید میں مسلمانوں کے سیاسی زوال کا بہت بڑا سبب بادشاہت کا نظام تھا ۔ یہ نظام دور جدید کے تقاضوں کو پورا کرنے میں قطعاً قاصر رہا ۔ اس جامد نظام میں کسی قسم کے انقلابی فکر کی گنجائش نہ تھی ۔ اسلامی دنیا کو در پیش مسائل کا کوئی حل ان بادشاہوں کے پاس نہ تھا ۔ ان کا اقتدار بھی مغربی طاقتوں کا مرہون منت تھا ۔ اس لیے اقبال کا یہ نظریہ تھا کہ مسلمان اگر صیہونی

۲۷- اقبال نامہ - جلد اول - مرتبہ شیخ عطاءاللہ ، ص ۴۵۱-۴۵۶ -

اور مغربی سامراج کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس رجعت پسندانہ نظام سے چھٹکارا حاصل کریں ۔ مزید یہ کہ اس خطرے کا مقابلہ اسلامی دنیا کے باہمی اتحاد اور تعاون سے ہی ممکن ہے۔ اقبال مسئلہ فلسطین کو صرف عرب دنیا کا مسئلہ نہیں تصور کرتے تھے بلکہ اسے وہ پورے عالم اسلام کا مسئلہ تصور کرتے تھے ۔ لیکن اس اتحاد کے لیے ضروری تھا کہ اس کا آغاز عرب دنیا کے اتحاد سے ہو ۔

اقبال اس زمانے میں بہت بیمار تھے ۔ اسی بیماری نے بعد میں مرض الموت کی شکل اختیار کر لی ۔ اس عالم میں بھی وہ مسئلہ فلسطین کے منصفانہ حل کے لیے بے حد مضطرب تھے ۔ انھوں نے برطانوی رائے عامہ عربوں کے حق میں استوار کرنے کے لیے مس فارقوہرسن کو خط لکھا تاکہ نیشنل لیگ کے پلیٹ فارم سے برطانوی ضمیر کو جھنجھوڑا جا سکے ۔ آپ ۲۰ جولائی ۱۹۳۷ء کو لکھتے ہیں :

"میں بدستور علیل ہوں اس لیے تفصیل سے نہیں لکھ سکتا کہ رائل کمیشن کی رپورٹ نے میرے دل پر کیسا چرکا لگایا ہے ۔ نہ یہ بتانے پر قادر ہوں کہ اس رپورٹ سے ہندوستان کے مسلمان بالخصوص اور تمام ایشیا کے مسلمان بالعموم کس قدر رنج و الم کا شکار ہوئے ہیں اور غم و غصہ کے یہ جذبات آئندہ کیا رنگ اختیار کریں گے ۔ نیشنل لیگ کو چاہیے کہ بیک آواز اس ظلم و طغیان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے اور برطانوی باشندوں کو سمجھائے کہ عربوں سے نا انصافی نہ کریں بلکہ ان وعدوں کا ایفاء کریں جو گذشتہ جنگ عظیم میں برطانیہ کے حمکرانوں نے برطانوی عوام کے نام پر عربوں سے کیے تھے ۔ حقیقی طاقت کا سرچشمہ ہوش اور خرد اور عقل مندی ہے اور جب طاقت کے نشے میں سرشار ہو کر انسان اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے تو تباہی سے ہم کنار ہونے میں کوئی شبہ نہیں باقی رہتا ۔

ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ فلسطین برطانیہ کی ملکیت نہیں ، برطانیہ تو محض جمعیت اقوام کے انتداب کے تحت فلسطین پر قابض ہے ۔ ایشیا کے مسلمان اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ یہ جمعیت اقوام دراصل ایک اینگلو فرانسیسی ادارہ ہے جس کا مقصد صرف اسلامی ملکوں کے حصے بخرے کرکے انھیں کمزور سے کمزور تر کر دینا ہے ۔ فلسطین یہودیوں کا ملک بھی نہیں کیونکہ یہودی تو عربوں کی آمد سے بہت پہلے اپنی مرضی سے فلسطین چھوڑ کر چلے گئے تھے ۔ یہ امر بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ صیہونیت کوئی مذہبی تحریک نہیں ۔ اس تحریک کے خدوخال سے قطع نظر کرکے صرف فلسطین کمیشن کے ذریعے اس سودے کا معاوضہ یوں چکایا گیا ہے کہ عربوں کو کچھ روپیہ دے دیا گیا

ہے اور ساتھ ہی ان کی فیاضی اور دریا دلی کے جذبات ابھارنے کی بھی کوشش کی گئی ہے اور ادھر یہودیوں کو بھی ایک قطعہ اراضی عطا کر دیا گیا ۔

مجھے امید ہے کہ برطانوی سیاستدان اور مدبر عقل سے کام لیں گے اور اس پالیسی کو جو حقیقتاً عرب دشمنی پر مبنی ہے ، ترک کر کے عربوں کی سرزمین انہیں واپس کر دیں گے ۔ مجھے یہ باور کرنے میں کوئی شبہ نہیں کہ عرب انگریزوں سے مفاہمت کے متمنی ہیں اور بوقت ضرورت وہ فرانس سے بھی کوئی معقول سمجھوتہ کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے ۔ اس کے برعکس اگر پروپیگنڈے کے زور سے برطانوی عوام کو گمراہ کر کے انہیں عربوں کا مخالف بنانے کی مہم جاری رکھی تو اس پالیسی کے نتائج خطرناک ثابت ہوں گے ۔[۲۸]

اقبال ۶ ستمبر ۱۹۳۷ء کو مس فارقوہرسن کے نام خط میں لکھتے ہیں :
"مجھے اس اطلاع سے نہایت مسرت ہوئی کہ نیشنل لیگ مسئلہ فلسطین میں گہری دلچسپی لے رہی ہے اور مجھے یقین ہے کہ لیگ انجام کار اہل برطانیہ کو حقیقت حال محسوس کرانے اور عربوں کی دوستی سے محرومی کے سیاسی عواقب سے کماحقہ آگاہ کرنے میں کامیاب ہو گی ۔ مصر ، شام اور عراق سے میرا کچھ نہ کچھ تعلق قائم ہے ۔ نجف اشرف کے شیعوں نے تقسیم فلسطین کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے ۔ ایرانی وزیر اعظم اور ترکی صدر جمہوریہ نے بھی تقریریں کی ہیں اور احتجاج کیا ہے ۔ خود ہندوستان میں اس مسئلے پر جذبات روز بروز شدت اور تلخی اختیار کر رہے ہیں ۔ اگلے ہی روز دہلی میں پچاس ہزار مسلمانوں کے اجتماع نے فلسطین کمیشن کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ۔ اخبارات میں یہ اطلاع بھی شائع ہوئی کہ کانپور میں مسئلہ فلسطین کے سلسلے میں مسلمانوں کی گرفتاریاں بھی عمل میں آئی ہیں ۔ اس قدر تو اب بالکل واضح اور قطعی ہے کہ تمام دنیائے اسلام مسئلہ فلسطین پر متحدالخیال ہے ۔"[۲۹]

اکتوبر ۱۹۳۷ء کے مکتوب میں اقبال ، قائداعظم کو لکھتے ہیں : "فلسطین کے مسئلے نے مسلمانوں کو سخت مضطرب اور پریشان کر رکھا ہے ۔ مسلم لیگ کے لیے رابطۂ عوام کا نادر موقع ہے ۔ مجھے پختہ امید ہے کہ لیگ اس موضوع پر ایک زبردست قرار داد منظور کرے گی اور لیڈروں کی ایک غیر رسمی کانفرس منعقد کر کے کوئی ایسا واضح اور معین لائحۂ عمل تجویز کرے گی جس میں عوام بڑی تعداد میں شامل ہو سکیں ۔ اس طرح لیگ کی مقبولیت میں بہت جلد اضافہ ہو جائے گا

۲۸۔ "ہماری قومی جدوجہد" ، ص ۲۱۰ - ۲۱۲ ۔
۲۹۔ اقبال نامہ ، جلد اول ، ص ۴۴۸ - ۴۴۹ ۔

اور فلسطینی عربوں کو بھی مدد مل سکے گی ۔ ذاتی طور پر میں کسی ایسے امر کے لیے جس کا اثر ہندوستان اور اسلام دونوں پر پڑتا ہو جیل جانے کے لیے آمادہ ہوں ۔ ایشیا کے دروازے پر مغربی استعمار کے ایک فوجی اڈے کی تعمیر اسلام اور ہندوستان دونوں کے لیے خطرہ ہے ۔''[۳۰]

۳۰- پاری قومی جد و جہد ، ص ۲۱۳ - ۲۱۴ - مزید حوالے کے لیے دیکھیے :
Letters of Iqbal to Jinnah, p. 27.

انوار اقبال

اقبال کے نادر ، غیرمطبوعہ اور متفرق خطوط اور بیانات کا مجموعہ

سائز : ۱۸ × ۲۲/۸ صفحات : ۳۴۸

مصور مجلد : ۱۲۰۰ روپے

IN MEMORIAM-III

This is the third of the series containing articles and speeches on Iqbal on Iqbal Day Functions held in Pakistan and abroad in 1968. Illustrated.

Size : 20 × 26/8 pp. 67

Price : Rs. 2.00
(Art Paper) Rs. 3.00

IQBAL ACADEMY
43-6/D, Block No. 6
P. E. C. H. Society, Karachi-29